انجانب

ٹھنڈی ہوا ہے اور گھٹا ہے گھری ہوئی
ساقی ترا بھلا ہو بجھا دے لگی ہوئی

بارش کا موسم اگرچہ ہمیشہ ایسا ہی روح پرور و فرحت افزا ہوتا اور سبزۂ لوز میدہ سے پھرا فسردہ بدن میں بھی تازگی آتی ہے خاصکر اس صورت میں جب کہ ع

ایک جانہ بغل میں ہو تو ایک چاند مقابل ہو کر

لیکن آجکل کا موسم برسات کچھ عجیب بھیانک اور پژمردہ کن غنچۂ دل ہے۔ کہ صد سالہ سبو کش بھی دست در بغل ہو رہے ہیں مئے ناب کو جبر کا کرنے کے بدلے بوتل توڑ کے پانی میں بہا رہے ہیں۔ اس کریہہ منظر اور دلکش سین سے کو لشا دلی کا بشرہ ہوگا۔ جو توبہ توبہ نہ کرتا ہوگا مگر بنگی آوارہ مکانی اور خستہ تنی پر ان حرمان نصیبوں کی جن کے گھر بارش کی نذر ہو گئے۔ افسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جب اپنے شکستہ و افتادہ گھروں سے نکلتے ہیں یہی کہتے ہوئے نکلتے ہیں سہ جوں سبزہ دبے جاتے ہیں پاؤں کے تلے ہم۔ اس گردش تقدیر سے پھولے نہ پھلے ہم۔

اگلے زمانہ کے بڑے بوڑھوں سے رحمان جوڑے پلی پلی۔ اور شیطان لنڈھائے کپا۔ سنا کرتے اور دل ہی دل میں کہا کرتے تھے کہ نعوذ باللہ کیا رحمان سے بھی شیطان زبردست ہے۔ جو اسکے جوڑے بھرے کو لنڈھا دیتا ہے شاید اس زمانہ کے کسی بھولے بھالے نے رحمانی تجلی کی نسبت یہ جوڑ توڑ کی تمسخرانہ بات کہی ہوگی اسکو لوگ مثل بنا بیٹھے مگر اب الٹے دھالنی زمانہ ہے۔ اور انقلابی چکر میں سارا جہاں چکر گھنی کھا رہا ہے اس لئے اس کے قافیوں میں بھی انقلاب پیدا ہو کر اس ڈھاؤ برسات میں یہ مثل یوں ہو گئی شیطان جوڑے پلی پلی۔ اور رحمان لنڈھائے کپا۔ یعنے رحمان نے اپنی رحمت سے مکانداروں کا کپا لنڈھا دیا۔ اس کی تشریح سنئے

کرائیل کمیٹی نے دلی کے مکانات پر ٹیکس لگایا۔ مکانداروں سے کہاں کے تھے کہ کسیکو ٹھنڈے پیٹوں اپنی گانٹھ گرہ کا ٹیکس بکھو لنے دیتے۔ انہوں نے اس سے بھی وہ چند ٹیکس مکانوں کے کرایہ پر بڑھا کر چاندی کرنے کو کرایہ داروں کے سر منڈھ دیا۔ وہ بیچارے پر بیچارے کہ تنگ آمد و سخت آمد بال بچوں کا پیٹ کاٹ کے طوعاً و کرہاً بھگتتے رہے۔ اور صبح و شام بانی بی پی کے جی ہی جی میں کوستے رہے چونکہ اللہ میاں سب کی بے وسیلے سنتے ہیں۔ گو دیر آید درست آید کا مضمون اس کے ہاں بھی ہوتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ ناؤ بھر کے ڈوبتی ہے۔ مکانداروں کو برسات تک مہلت ملتی کہ سوچ سمجھ کے استحصال بالجبر سے باز آ جائیں۔ آخر کار انکی ناؤ برسات تک بھرپور ہو گئی۔ ادہر اللہ میاں نے بیچارے غریب مظلوموں کی آہیں فلک کے کسی محفوظ مقام میں جمع کر لیں اور برسات آتے ہی خلیج بنگال کے شمالی مغربی زاویہ کی ہواؤں بادلوں کی صورتیں بتدریل کر اسکی سمت کو بھی بدل بدلا دیا اور بادلوں میں جو غلل انداز بارش مادے ہوا کرتے ہیں سب کو جذب یا سلب کر کے دلی کی طرف بھیجدیا۔ انھوں نے ساون کی جھڑی اور بھادوں کی برکھ مکانوں ہی کو بہانا شروع کر دیا۔ کسی کی چھت گرائی کسیکا چھجہ کسیکی دیوار ڈہائی کسیکا پاکھا۔ کسیکا سر توڑا کسیکا پیر۔ کسی کی ناک سے خون بہایا۔ کسی کا کان سے۔ کسی کو عدم آباد ہی چلتا کر دیا۔ مکانداروں نے بیچارے غریب کرایہ داروں سے جتنا روپیہ جبراً وصول کر کے کھایا پیا تھا اب اس سے چوگنا اوگل کر راج مزدوروں کو دے رہے ہیں اگرچہ یہ تو ہضم کرنے کو نگل گئے تھے۔ مگر حلق میں انگلیاں ڈال کر اوگلوانے والا زبردست تھا۔ جو اگلے بغیر چارہ ہی نہ ہو سکا۔ بجانب کہا کرتے تھے کہ دل دکھا کر کسی سے لینا اچھا نہیں لینے کے دینے پڑ جائینگے کسی نے سچ کہا ہے سہ

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن اجابت از در حق بہر استقبال می آید

مگر یہ کبھی کب مانتے تھے زمانے آخر انکی کھائی۔ تو بھی اشو تو مظلوموں کی آنکھوں کے پانی سے گر قسم جنس کر دینے کا باور آیا۔ یا ابھی کچھ کسر ہے حضرت گو آسکے ہاں کی سوکھی سی جلتی ہے۔ مگر یاد رہے کہ وہاں بھی مہلت دکھائی ہے۔ اسدن کے بچاپے اوسدن نہیں جلتے بھی ڈرو وہ کلانوں کو ہاتھ لگا وآ گے سے مانو تو جان جہاں افضیاء

یاران ہم قالب

برسات کی رات

شام ہوئی نہیں ہے۔ رات ابھی بھیگی نہیں ہے۔ چراغ ابھی جلنے بھی نہیں پائے ہیں۔ لیمپ اور فانوس نے ابھی گل بھی نہیں لئے ہیں کہ حشرات الارض کا ہجوم ہو گیا۔ ہم نے انہیں بہت ہی سمجھایا۔ اور روز ہی سمجھایا۔ اور روز ہی سمجھاتے ہیں۔ کہ اگر تمہاری دلچسپی اور دلبستگی آگ سے ہے۔ تو ہم آگ جلوائے دیتے ہیں۔ اس سے شغل کرو نہیں ایک چراغ یا لیمپ یا فانوس۔ جو کچھ کہو۔ وہ تمہارے لئے پیش کی جائے۔ اسمیں جل مرو۔

مگر تم کو ضد ہے تو اس روشنی سے جو ہماری میز پر ہے کد ہے تو اس روشنی سے جسکے سامنے ہم کچھ...... لکھتے پڑھتے ہیں۔ بھلا تم کو ہمارے لکھنے پڑھنے سے کیا غرض۔ اور واسطہ۔ مطلب اور مدعا اور مقصد۔ جو تم بغیر اطلاع اور بغیر جانچ۔ پڑتال۔ پوچھ گچھ کے درانہ چلے آتے ہو۔

پھر اس ہٹ دھرمی دیدہ دلیری دیکھو۔ کہ ادہر ہم نے قلم اور کاغذ ہاتھ میں لیا۔ اور لکھنے بیٹھے۔ ادہر تم نے اپنی قسمت کے رقعے کو مٹانا شروع کیا۔ اور کبھی کبھی نوشتہ قسمت کی طرح نہ مٹا سکے تو خراب تو ضرور ہی کر دیا۔ پھر ان سب سے بڑھ کر ہمارے خیالات ہیں۔ جو تو تم نے پیدا کر دیا۔ برسوں کے خیالات کو دم بھر میں تم نے خاک میں ملا دیا۔ غرضکہ ہمارے لکھنے میں تو تمہارے یہ سلوک رہا ہے۔ اگر پڑھنے بیٹھے۔ تو کتاب پر تمہار اغلا۔ سطروں پر تمہارا قبضہ۔ ہیں چلاتے ہیں کہ ہٹو۔ بھاگو۔ مگر تم ایسے بہرے اور بہرے ہو۔ کہ ہماری آواز تو کیا ہے۔ توپ اور بم کی بھی آواز تم نہ سنو گے حتی الامکان تمہاری جان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور بے انتہا کرتے ہیں۔ مگر تم کو اپنی دلچسپی اور شوق کے مقابلہ میں جان کی کیا پرواہ۔ اور حقیقت ہے۔ شوق کے معنے بھی یہی ہیں۔ اگرچہ ہم بہت سنبھل سنبھل کے کتاب کے اوراق الٹتے ہیں۔ مگر پھر بھی اگر ذرا بھی بے احتیاطی ہو جاتی ہے۔ تو تم میں سے کسی نہ کسی کی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے۔

یہ تو خارجی باتیں تھیں۔ مگر تمہاری داخلی اور آزادانہ ادائیں ایسی ہیں کہ جو کچھ سلوک تمہارے ساتھ کیا جائے کم ہے۔ اگر تم کو بھی پروانہ کی طرح چراغ سے عشق ہے۔ تو پروانہ کی طرح چراغ پر شیدا ہو جاؤ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ بھلا ہمارے کوٹ میں۔ بنیان میں کیا رکھا ہے۔ جو تم اسکے اندر گھسے جاتے ہو۔ سمائے جاتے ہو۔ کہیں گردن پر بیٹھ کر ڈنک چبھوتے ہو۔ کہیں ہاتھ پر بیٹھ کر نشتر لگاتے ہو۔ کبھی سر پر بیٹھ کر نہر یلے ٹچوکے دیتے ہو۔

گردن زخمی۔ ہاتھ لہولہان۔ سر سوجا ہوا۔

پروانہ کی برابری تم ناحق کرتے ہو۔ وہ تو کسی کا عاشق ہے۔ پر کسی کو تکلیف دہ نہیں ہے۔ ایک شمع کی بدولت شمع کی لگن پر بھی تصدق ہو جاتا ہے اور لگن ہی تک محدود نہیں ہے۔ جو اور چیز شمع کے پاس ہو اس پر بھی وہ تصدق ہو جاتا ہے۔ اور اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ تم عجب کسی کے بھی عاشق نہیں ہو۔ تو اپنی جان کو کیوں دیتے ہو۔ کیوں نہیں کسی پر تم بھی عاشق ہو جاتے۔ اور اسکے اوپر تصدق ہو کر جان دیدیتے۔ تاکہ عاشقوں کی فہرست میں ایک نمبر اور بڑھ جاتا۔

راقم ایک جنگل باشی

بقلم حضرت رنج الخیال

باپ نہ مارے پیدڑی اور بیٹا تیر انداز

دل و دلی پیچ۔ گڈمارننگ۔ تم اچھا ہے۔ تمہارا ڈیر اچھا ہے۔ ہیں ہیں ارے یہ کون ہے جو انگریزوں کی بیٹ کھا کر بے سری ڈکارتا ہے۔ اسے پتہ نہیں معلوم کہ یہ کس کا دربار ہے۔ یہ نہایت مہذب دربار ہے۔ یہاں ال ول اور ڈیر نکالا۔ تو ناک کاٹ لی جائے گی۔ ول ڈیر گھبراؤ نہیں۔ ہم ہے۔ تمہارا ڈیر۔ آدھا تیتر۔ آدھا بٹیر۔ ادہو تو ف۔ دیسی مرغی۔ ولایتی بولی۔ ماں ٹھنی۔ باپ کلنگ۔ بچے رنگ برنگ۔ کیا لڑکا ہے جس کا کہیں پیر ہے۔ نہ سر۔ ارے مرے پیارے پیچ۔ کیا تو نے نہیں پہچانا۔ ارے ہاں۔ یہ تمہارے اظہار عاشقی کے ناز نخرے تھے۔ تو اب سیدھی سیدھی باتیں سنو۔ اور فیصلہ کرو۔

یکم اگست کے دہلی پنچ میں حزیں سہسرامی کا مضمون بڑی صفائی سے لکھا تھا آپ منصف سہسرامی اور پنچ آر ڈی مقرر کئے گئے تھے حضرت نے لکھا ہے۔ کہ اپنے اطہر عاشق کی طرف مخاطب ہو کر یہ فیصلہ سنا دیجئے۔

فیصلہ

پہلے اطہر عاشق صاحب دہلی پنچ حاضر آئے۔ اور پھر آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہوئے۔ اور اگلا پچھلا ذکر آنے کا کفارہ کر گئے۔ جب جناب حزیں صاحب نے بھی حاضری دینی شروع کی۔ تو آپ حضرت خود ہی غائب غلہ پانی کا بلبلہ ہو گئے۔ پیارے یہ غلط ہے سچ کہو سچ کہو۔ ہمیشہ سچ ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ۔

اجی حضرت انجناب تو حاضر ہوئے ہیں میاں ملک الموت سے بھی دو چار قدم آگے ہوئے ہیں۔ مگر حضرت کا تو کہیں وجود ہی دکھائی نہیں معلوم کس کونہ میں چھپے بیٹھے تھے۔ کہ پانی پڑتے ہی برساتی مینڈک کی طرح ٹرائیں ٹرٹر کرتے ہوئے نکل پڑے۔ اگر آپ پوچھیں کہ اتنے دن کہاں رہے۔ تو دو منہ توڑ جواب دوں کہ کسی سپاہی منچلے کی شمشیر زنی و تیغ زنی چھوٹ جائے ارے میاں انجناب ہیں موجودی نامہ نگار۔ دہلی پنچ کے عاشق زار۔ اور نامہ نگار بھی کیسے بھتی اخبار چیٹ کرنے والے نہیں کہ ایک دو مضمون لکھے اور اخبار جاری کرایا۔ اور پھر اور جھینوں خبر نہ دارد۔ اپنے جوش میں آ گئے۔ دو ایک مضمون دھڑ گھسیٹے اور اپنے پیارے پنچ سے خیک مینڈکر کے رخصت ہوئے۔

المراقم ۔ حاضر ہے تمہارا اطہر عاشق سہسرامی

ایک پیر کھوسٹ کی شادی

ڈیرہ فتح ۔ ذگدڈ سور تنک ۔ انجناب بھی اپنے تن و توش کے ساتھ آپ کی خدمت کے لئے لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

زمانہ حال میں بنگالیوں نے ناعاقبت اندیشی کے ساتھ کیا آزادی کی لی ہے کہ نام خدا بڈھے بھی اب اپنے زعم باطل میں جوان نظر آنے لگے چنانچہ ایک شہر میں ایک پیر کھوسٹ میاں خدا رکھہ صاحب زاد اللہ رکھہ اپنی عمر رفتہ کے ساتھ ہوش و حواس کو بھی خیر باد کہہ چکے ہیں آپ کا سن شریف اسی سے تجاوز کر گیا ہے۔ حلیہ مبارک آدمی سے حیوان کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے۔ منہ میں دانت۔ نہ پیٹ میں آنت آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے۔ کانوں سے کم سنتے ہیں۔ جھک کر اٹھنے میں دقت ہوتی ہے۔ چلنا پھرنا گیا۔ کیا ہوا اگر بصد خرابی گھر سے مسجد تک آ گئے۔ تو اس پیرانہ سالی میں مرے پر کو وہ دھن سمائی ہے۔ کہ کوئی پندرہ برس کی ملے تو شادی کر لیجائے۔ اپنے عزیز و آشنا کو اس بات پر مجبور کرتے ہیں۔ یار لوگوں کی چکمہ بازیاں اور مذاق اور بھی حضرت کو اپنے آپے سے باہر کئے ہوئے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مجھ جیسے خوبصورت جوان رعنا کی یہ خواہش بیجا نہیں۔ جو کچھ کرتا ہوں انسب و اولٰے ہے۔ یاران ذیرینہ نے ذات شریف کو خضاب سے روسیاہ و موئے سیاہ کر دیا۔ مصنوعی بیوی کی شادی کے اشتیاق میں دستار نابجی کو فرق ناہموار پر باندھ کر اچھے خاصہ حماقت مآب دولہ بن گئے۔ اور خیال شریف میں تاریخ عقد بھی مقرر ہو گئی۔

اسی اثنا میں انجناب سے ملاقات ہو کر باتیں ہوئیں۔ وہ حوالہ قلم کی جاتی ہیں۔

میں۔ بر سر راستہ۔ خدا رکھ جی۔ سلام علیکم

خدا رکھ۔ (بغور دیکھ کر) وعلیکم السلام۔ کون.... تم اتنے روز کہاں رہے ملنا نہیں ہوا۔ لڑکے کو ایک خط لکھوانا ہے۔

میں۔ تھا تو یہیں۔ پر اور مسجد میں بھی آتا رہتا ہوں۔ مگر بدقسمتی سے آپ کی زیارت نہیں ہوئی۔ میں خط لکھنے کو موجود ہوں

خدا رکھ۔ ایسا عمدہ خط لکھ دو۔ کہ لڑکا فوراً یہاں آ کے میرا گھر باندھ دے۔

میں۔ گھر کیسے بندھ جائے۔ میں اس جملہ کو نہیں سمجھا۔؟

خدا رکھ۔ تم کو معلوم ہے دو سال کا عرصہ ہوا کہ میرے گھر قبیلہ کا انتقال ہو گیا۔ بیٹا۔ بہو خدمت کرتے ہیں۔ مگر لطف زندگی کہاں۔ تکلیف کا سامنا رہتا ہے۔ گھر باندھنے سے مراد یہ ہے۔ کہ میری شادی آ کر کر دے۔

میں۔ ہاں صاحب اب گھر باندھنے کا مطلب سمجھا۔

ناظرین۔ مضمون خط ملاحظہ فرمائیں

عصائے پیر دستگیر تقدیر۔ بعد دعا کے واضح ہو کہ تقدیر پیش آمدہ ہر خورد و پیر کو تحریر ہوتا ہے۔ کہ تو مبارک ہو کہ تمہارے پیر نابالغ باپ اس عمر شریف میں کہ جس کا ۸۸ واں سال رحلت شروع ہے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس چلتی چلاتی دنیا میں اور بالخصوص اس شہر دارالسرور اودے پور میں ایک نئی نظیر قائم کرتے ہیں۔ تمہاری والدہ دو سال ہوئے کہ دنیا کو خیرباد کہہ چکی۔ اب اس پیرانہ سالی میں جوش جوانی نے پھر عود کیا۔ اب ہزار طرح ضبط کرتا ہوں۔ مگر یہ جوش شباب آب جوش کی طرح جوش مار رہا ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے تمہارے سر سہرہ باندھ کر تم کو بیاہا تھا۔ اب یہ زمانہ ہے کہ تم اپنے پیارے ہاتھوں سے اس اونٹ سے ضعیف الجثہ باپ کو سہرہ باندھ کر اپنی ماں جیسی ہماری نئی نویلی دلہن کو بیاہ لاؤ۔ خوشی کی بات ہے کہ تمہارے دوست اور میرے دشمن جان عداوت بخش نے ایک شریف النسب شخص میاں اجل یار خان صاحب کی پیاری دختر قبر النسا سے شادی قرار دے کر تاریخ وصل بھی مقرر کر دی ہے۔ تم جلد آؤ کہ تمہارا اجل رسیدہ باپ اس شادی خانہ آبادی کے اشتیاق میں جامۂ انسانی سے باہر اور از خود رفتہ ہو رہا ہے خدا وہ دن کرے کہ یہ مشتاق اجل اشک مسلسل کے سہرے اور خون آرزو کے شفق سے سرخرو ہو کر سینہ کوبی اور واہ واری کے باجے گاجے کے ساتھ چار یاروں کے سہارے سے در جاناں (قبرستان) پر پہونچ جائے پھر انشاءاللہ تا بقیامت تم کو کسی طرح کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ اور نہایت آرام و ہم آغوشی سے بسر ہوگی۔

راقم۔ پیر کہن سال اودے پور

چٹپٹے چٹکلے

گواہ۔ تو آپ چاہتے ہیں۔ کہ میں اس شخص کی نسبت تمام باتیں سچ سچ کہہ دوں۔

جج۔ بے شک یہی مطلوب ہے۔

گواہ۔ تو عدالت کب تک نشست کرے گی۔

جج۔ اس سے تمہارا مطلب؟

گواہ۔ مطلب تو یہی ہے۔ میں اس بدمعاش کا کچا چٹھا ایک ہفتہ کے اندر بیان نہیں کر سکتا۔

لنڈن کا ایک حجام چیلنج کرتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ کوئی حجام آنکھوں پر پٹی باندھ کر ایسی تیزی کے ساتھ حجامت نہیں بنا سکتا جس طرح کہ میں بنا سکتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میرا دعوے باطل کر دے تو میں اس کو پچاس ۵۰ پونڈ تک نذرانہ دونگا۔

رابرٹ ہارڈی باربر کہتا ہے۔ کہ میں صبح کے چار بجے سے حاضری کے وقت تک پانچ سو اشخاص کی حجامت بناتا ہوں۔ سخت ڈاڑھی کے مونڈنے میں مجھے خاص لطف آتا ہے۔ میں نے اعلان کر رکھا ہے کہ ہر ہفتہ کوئی شخص سخت سے سخت داڑھی والے کو لائے۔ اور مجھ سے ۱۰ شلنگ انعام پائے۔

۱۸۸۸ء میں ٹام راس سے میرا مقابلہ ہوا تھا۔ اس وقت میں نے ۳ منٹ ۴۰ سکنڈ میں بارہ آدمیوں کی حجامت بنائی۔ ۱۸۸۹ء میں ۷ اشخاص سے میرا مقابلہ ہوا۔ شرط یہ تھی۔ کہ ہر ہفتہ میں دو رات لگاتار حجامت بنائی جائے۔ اور یہ مقابلہ ۳ ہفتہ تک رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ہی جیتا۔

ولیم ٹامس ریڈ پر برسٹل میں پانچ پونڈ جرمانہ ہوا آپ نے ایک دختر خوبصورت لیڈی کا بوسہ زبردستی لیا تھا۔ وہ اپنے دروازہ پر کھڑی ہوئی تھی۔ یہ دندناتے چلے گئے۔ اور بغل میں خوب زور سے داب کر چٹاخ سے بوسہ لے لیا۔ عدالت نے پوچھا۔ کہ تمہاری عمر ۷۰ برس کے قریب ہے۔ پھر ایسی زبردستی کیوں کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں نے بہت روکا۔ مگر حضرت دل نہ مانے۔ اور جب تک میں نے بوسہ نہ لے لیا مجھے چین نہ آیا۔

کل ہانٹ میں ایک نابینا فقیر رہتا تھا۔ جس کو مختلف سکوں کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ حال ہی میں وہ مرا ہے۔ اس کے بکسوں میں سے ساڑھے ہزار سکے نکلے۔ جن کی قیمت ۱۱۰ پونڈ ہوئی۔ ہمسایہ اس سے خوب واقف تھے کہ یہ از حد کنجوس ہے۔ مگر کنجوس نے اپنے آپ کو امیر ثابت کر دیا۔ بقلم۔ مسٹر اے آر مبر